بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دعوت الی اللہ کی باتیں ان اوراق میں ہوتی رہی ہیں، مگر ایک سوال زیر بحث نہیں آیا۔ وہ یہ کہ داعیانِ حق کا کردار کیا ہونا چاہیے۔ یوں تو داعیانِ حق کے کردار کا تصور اتنا وسیع ہے کہ اس میں ایک مومنِ متقی کے سارے ہی اوصاف آجاتے ہیں۔ خصوصاً قرآن نے اپنے انسانِ مطلوب کے جا بجا جو صفاتی خاکے پیش کیے ہیں اُن کو ہر اُس شخص کے لیے معیار بنانا لازم ہے جو خدا کی راہ میں کوئی دعوتی کام کرنا چاہتا ہو۔ یہاں ہم صرف چند ایسے اُمور کا ذکر کریں گے جو دعوتی لحاظ سے اُصولی اہمیت رکھتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ دعوت الی اللہ، شہادتِ حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا کوئی ذاتی کام نہیں جیسے ہم نے خود ہی سوچا ہو، اُس کی راہیں خود ہی تجویز کی ہوں اور اپنے مفاد اور جذبات کی ضروریات کے تحت اُس کے اُصول و مقاصد متعین کیے ہوں۔ یہ خدا کا اپنا کام ہے اور اسی نے اس کام کو کرنے کا اپنے بندوں سے مطالبہ کیا ہے، اسی نے اس کے اُصول و مقاصد مقرر کیے ہیں، اسی نے اس کے لیے موزوں پیرایوں اور اسالیب کی نشاندہی کی ہے۔ پس اس کام کو جو لوگ کرنا چاہیں وہ نفسانیت سے اس معنی میں بھی پاک ہوں کہ وہ اپنی اُمنگوں اور جذبات کی تسکین کی فکر نہ کریں، اور اس لحاظ سے بھی پاک ہوں کہ وہ خدا و رسولؐ سے ہدایات لینے کے بجائے اپنے لیے خود ہی طور طریقے وضع نہ کرلیں۔ اجتہادی تدابیر کا میدان ہر شعبۂ کار میں شریعت نے رکھا ہے، مگر ایک تو اُصول و حدود واضح طور پر طے کردیے ہیں اور دوسرے کسی ایسے اجتہاد کا کوئی جواز نہیں چھوڑا جو شرعی اُصول و حدود کے دائرے سے باہر نکل

جائے ۔ گویا یہ مقام اخلاص کا مقام ہے ۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا کام اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر اللہ کے لیے کیا جائے ۔ کام اگر اللہ کا نہ ہو تو بھی سب کچھ غارت ، اللہ کے مقررہ طریقوں پر نہ ہو تو بھی عبث اور اللہ کے لیے نہ ہو تو بھی ہباءً منثورا ۔

دوسری بات یہ کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات و تلقینات تقاضا کرتی ہیں کہ جنہیں اللہ کا بتایا ہوا کارِ دعوت کرنا ہو وہ اللہ سے گہرا دلی رشتہ استوار کریں ، اس کی عبادات پوری کریں ، اس کے لیے حمد و ثنا کریں ، اس کا ذکر جاری رکھیں ، اس کے سامنے بار بار اپنا دل کھول کر رکھیں ، اپنی ناچیز خدمات کی قبولیت کی تمنا کریں ، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر اس سے معافی مانگیں ، اس کے لیے نوافل ادا کریں ، اس کی راہ میں مال خرچ کریں ، اس کی مسجدوں سے لو لگائیں ، اس کے بندوں کے لیے خادم بنیں اور یہ جانیں کہ دعوت الی اللہ سب سے بڑی خدمتِ خلق ہے ۔ قرآن کو بار بار پڑھیں اور جو اصولِ دعوت اس میں مذکور ہیں اور داعیانِ حق کی جو ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں ان کو سمجھیں اور اختیار کریں ، نیز انبیاء و صلحا کے نمونے کے کاموں سے روشنی لیں ، احادیث اور سیرت کے مطالعے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ و صحابیات کی خدماتِ دعوتِ حق کا شعور و ادراک پائیں ، جن جن امور پر حضورؐ نے تربیتِ صحابہ کے دوران میں گرفت کی یا جن رویوں کی اصلاح کی ان کو الگ الگ رکھ کر سمجھیں ۔ اس سلسلے میں ائمہ و علمانے جو لٹریچر تیار کیا ہے ، اسے پڑھیں ۔

خدا سے تعلق اگر اس طرح کا گہرا نہ ہو بلکہ دو چار سجدوں اور دس پانچ اجتماعات ہی پر سارا دارومدار رکھا جائے تو اندیشہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں سرگرم ترین داعیانِ حق کسی نہ کسی امتحانی مرحلے میں پھسل جائیں گے اور ایسی چوٹ کھائیں گے کہ کیا کرایا سارا درہم برہم ہو کے رہ جائے گا ۔

خدا اور رسولؐ سے گہرا اور سچا قلبی تعلق رکھنے والا آدمی قرآن و حدیث کی کوئی بات سن کر موجودہ عدالتی نظام کے وکلا کی طرح بحثیں اور تاویلیں نہیں کرتا ، بلکہ اس کی کیفیت یہ ہوتی

ہے کہ "اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ" خدا کی آیات سُن کر سچے خدا پرستوں کے دِل لرز اُٹھتے ہیں۔ اور وہ قرآن سُنانے والے سے اُلجھنے کے بجائے یہ سوچنے لگتے ہیں کہ کہیں واقعی ہم سے کوئی خلاف ورزی تو نہیں ہو گئی۔ ایسے مواقع پر معاملہ اپنا دفاع کرنے کا نہیں ہوتا (اگرچہ کبھی کبھار اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے جب کہ بات کرنے والا قرآن کے منطوق کو صحیح نہ سمجھ رہا ہو یا وہ مخاطب کے متعلق غلط فہمی رکھتا ہو) بلکہ ضرورت اپنا احتساب کرنے کی ہوتی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ایسی مثالیں شاذ ہی شاید ملی ہوں کہ کسی نے آیت یا حدیث کو سُن کر یہ کہا ہو کہ میں اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے اپنے موقف سے دستبردار ہوتا ہوں یا اس لمحے مجھ پر منکشف ہو گیا کہ فلاں معاملے میں میرا طرزِ فکر غلط تھا۔ آدمی کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنا دفاع جھگڑالو ہونے کی حد تک کرتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت گہرے تعلق باللہ کی عدم موجودگی میں ہوتی ہے۔ داعیانِ حق کو خیال رکھنا چاہیے کہ قرآن کو ہماری دعوتی اور اجتماعی سرگرمیوں کے اُوپر اُوپر سے نہ گذر جانا چاہیے اور ہمیں اور ہمارے کام کو قرآن کی حقیقی برکات سے محروم نہ رہ جانا چاہیے۔

دعوتِ حق کے بیج سے یقیناً ایک سیاست بھی نمودار ہوتی ہے اور ایک نظام بھی پیدا ہوتا ہے، مگر فی نفسہٖ دعوت ایک سیاسی مشغلہ نہیں ہے۔ اور ہمارے ہاں تو خود سیاست بھی ایک دینی فریضہ ہے، لہٰذا سیاست بھی غیر سیاسی ہے۔ غیر سیاسی سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ کوئی خانقاہی سرگرمی ہے اور اس میں کشمکش کا کوئی دخل نہیں، بلکہ اصل مدعا یہ ہے کہ جس ذہنیت اور جس اسلوب سے دُنیا کے سیاست کار اور سیاست باز سیاست چلاتے ہیں؛ وہ ہمارا طریقہ نہیں ہے۔ ہماری سیاست کا بھی اپنا ایک نہج ہے۔ ہمارا سیاسی سرگرمی سے مقصود بھی رضائے الٰہی ہے جس کا معیاری مرتبہ حصول "لِيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ" کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ہاں تو اصل بات ہو رہی تھی دعوت کی ـــ باوجودیکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور کفر بالطاغوت کی دعوت کامل درجے کی سیاسی نوعیت رکھتی ہے، مگر اس کا طریقِ فروغ سیاسی جدوجہد سے مختلف ہے۔ ہماری دعوت نعرہ بازی کا سلسلہ نہیں ہے، یہ کوئی دھونس جمانے کا ہتھیار نہیں ہے، بلکہ دعوت کا سارا کام معلمانہ نوعیت کا ہے۔ سچا معلم خلقِ خدا سے گہری محبت رکھتا ہے، وہ لوگوں کا بہترین خیر خواہ ہونے کی وجہ سے ان کی دُنیا

کو بھی سنوارنا چاہتا ہے اور اُن کی عاقبت کو بھی جیسے کہ پہلے کہا گیا۔ یہ اوّل درجے کی خدمت ہے۔ داعیِ حق جہاں بات ماننے والوں کو سینے سے لگاتا ہے، وہاں وہ نہ ماننے اور مخالفت کرنے والوں کو یہ الاؤنس دیتا ہے کہ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ انہیں اپنے بھلے بُرے کا پتہ نہیں ہے۔ اُن کی سمجھ سے ابھی تک یہ بات بالاتر ہے کہ خدا کے دین کا پیغام ان کو بیڑیوں اور بوجھوں سے نجات دلانے کے لیے ہے۔ وہ گالیاں دینے، استہزاء کرنے اور ظلم ڈھانے والے مخالفین کے لیے بھی یہی سوچتا ہے کہ یہ لوگ سالہا سال سے باطل افکار اور غلط عادات و رسوم کے جادو سے مسحور رہیں اور اس جادو کے ٹوٹنے میں دیر لگ سکتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ اس معلّمانہ اور محبانہ کام میں صبر ایک شرطِ لازم ہے۔ اپنے صحیح کام پر اور اس کے اصولوں پر جمے رہنے کے لیے صبر چاہیے اور دوسروں کی زیادتیوں کے جواب میں ہاتھ نہ اٹھانے کے لیے صبر چاہیے[1]۔ وہ لوگ جو دعوت کا معلمانہ کام کرتے ہوئے دوسروں کی فضول باتوں یا اُن کے مظالم پر اشتعال میں آجائیں اور مخالفین سے انتقام لینے لگیں، وہ اپنے متعلق ثابت کر دیتے ہیں کہ وہ خدا کے دین کی طویل اور مردافگن مہم میں صحیح حصہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ مخالفین کی غلطیوں کو اپنی غلطیوں کے جواز کی دلیل بنانا داعیانِ حق کا کام نہیں ہے۔ داعیانِ حق میں اتنا ظرف ہونا چاہیے کہ وہ یاس انگیز مخالفانہ ماحول میں کبھی گھبرائیں نہیں، گھبرا کر جذباتی توازن نہ کھوئیں، مخالف افراد اور اداروں کے ذرائع و وسائل اور قوتوں سے مرعوب

---

[1] مرحلہ جہاد کی بات کو بعض لوگ دعوت کی مہم پر منطبق کرتے ہیں، حالانکہ جہاد بہ معنی قتال ایک ایسی جماعت ہی کر سکتی ہے جس کی قیادت اغیار کی مداخلت سے آزاد ہو اور اس جہاد کے لیے شرط لازم یہ ہے کہ کارِ دعوت کو اتمامِ حجت کی حد تک پہنچا دیا گیا ہو۔ پھر قتال محدود ہوتا ہے میدانِ جنگ تک۔ نہ یہ کہ جو بات نہ مانے وہ جہاں ملے اس کا سر اڑا دیا جائے۔

نہ ہوں، معاندوں کی اشتعال انگیز حرکات سے بارود کی طرح بھک سے اُڑ جائیں، بلکہ یقین رکھیں کہ خیر خواہی اور نیکی کے جذبے سے بے لوث کام کرنے والے جب تک مظلومی کے مقام پر رہتے ہیں اُن کا پیغام پھیلتا جاتا ہے اور اُن کے لیے ہمدردیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ اُن کے لیے غیر جانب دار عناصر میں بھی اور خود مخالف گروہوں میں بھی ایک دھیمی دھیمی اور دبی دبی حمایت نشوونما پاتی رہتی ہے جو خاصی دیر میں کسی خاص موقع پر سامنے بھی آجاتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر داعیانِ حق دسیوں سال صابرانہ کام کرتے کرتے کسی ایک موقع پر جارحانہ یا ظالمانہ اقدام کی تہمت کا نشانہ بن جائیں تو انہیں بہت بڑا نقصان پہنچتا ہے، خواہ وہ نقصان ابتدا ہی میں پوری طرح واضح نہ ہو۔ معلوم اگر ایک بار رضا کارانہ کا ڈنڈا حرکت میں لے آئے تو پھر محبت و خدمت کی بنا پر حاصل ہونے والی قدر و قیمت میں ایسی کمی آجاتی ہے جس کا پورا ہونا تادیر مشکل ہوتا ہے۔ جب تک دعوت دینے کا کام کرنا ہو، مظلومانہ مقام پر رہ کر خوشی خوشی سے زخموں کو سینے سے لگائے رہیے۔ اور مظالم کے حسابات چکانے کا کام اللہ پر چھوڑ دیجیے (وعلینا الحساب) اور اگر "النفس بالنفس والسن بالسن" کے اصول پر آپ اپنے حسابات روز کے روز چکانا چاہتے ہوں تو پھر اسی کام میں لگے رہیے، دعوتِ حق کی علمبرداری کو دوسرے مناسب لوگوں کے لیے چھوڑ دیجیے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ داعی کوئی فرد ہو یا کوئی گروہ، برسوں میں اس کا کردار ایک خاص شکل اختیار کرتا ہے، اور وہ اپنے امتیازی خدوخال کے ساتھ پہچانا جانے لگتا ہے۔ اس کردار کا بنیادی ڈھانچہ صدق، دیانت اور عدل کی صفات سے بنتا ہے۔ اس کردار سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا اور اُسے بغیر مسخ کیے برقرار رکھنا، شروع سے آخر تک صبر چاہتا ہے، مثلاً سچ بولتے بولتے اگر ایک بار...... داعیِ حق فرد یا گروہ جھوٹ بول دیتا ہے تو گویا وہ اپنے برسوں کے پرورش کردہ کردار کو خود ہی ایک ایسا زخم لگاتا ہے جسے کوئی مرہم مندمل نہیں کرسکتا۔ اسی طرح عدل کا تقاضا یہ ہے کہ دوسروں کی بُرائیوں کے سامنے اُن کی خوبیوں کا بھی اعتراف کیا جائے۔

اور دوسروں کو ان کی غلطیوں پر ٹوکنے والے داعیوں کو خود اپنی غلطیوں پر زیادہ سختی سے گرفت کرنی چاہیے۔ دوسروں کا احتساب کرنے کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے، مگر اپنا احتساب کرنا تو شرعی ذمہ داری ہے۔ ضمیر اگر زندہ ہو تو نہ اُس کی آواز کو دبایئے اور نہ اس کے منہ میں مٹی ڈالیے بلکہ اُس کی آواز کو اپنی آواز بنا کر اعتراف کر لیجیے کہ ہم سے غلطی ہوئی۔ اور جس کے حق میں غلطی ہوئی ہو اس سے معافی مانگ لیجیے۔ دنیا میں ایک طریقہ یہ بھی رائج ہے کہ کسی بڑی کوتاہی اور غلطی پر لوگ قیادت یا عہدوں سے مستعفی ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے استعفیٰ بھی دراصل اس بات کا اعلان ہوتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔

عدل ہی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اگر کوئی موقع بالفرض کسی کے ساتھ تصادم کا پیدا ہو ہی جائے تو کسی کی زیادتی کی جوابی کارروائی ہرگز اس کی زیادتی سے بڑھ کر نہ ہو۔ داعی کا اصل مقام تو معاف کرنا ہے، لیکن استثنائی طور پر کوئی ایسی صورت پیدا ہو ہی جائے کہ کسی کی ظالمانہ حرکت کا دفاع کرنا پڑ جائے تو اُصول یہ ہے کہ " فاعتدوا علیھم بمثل ما اعتدی علیکم " نیز قرآن کی یہ ہدایت بڑی جامع ہے کہ " ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا " یعنی کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اس بات پر نہ اُکسا دے کہ تم انصاف ہی سے کام نہ لو۔

مختصر یہ کہ صدق، دیانت اور عدل پر صبر سے کاربند رہنا اہلِ دعوتِ حق کے لیے ضروری ہے۔

پانچویں بات یہ کہ دین کے ہر کام کی طرح دعوتِ اساسی کا کام بھی اس کام کے شرکا کے باہمی مشورے سے ہونا چاہیے۔ داعیانِ حق کو مشورے سے اپنے لیے دعوت کا منصوبہ تیار کرنا چاہیے۔ مشورے ہی سے ہر خاص مرحلے کی کارروائی کا فیصلہ ہونا چاہیے اور کام پر نکلنے سے پہلے ہدف مقصود اور طریق کار متعین ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ میدانِ دعوت کے شہسواروں کو پتہ ہی نہ ہو کہ آج وہ کس غرض سے نکلے ہیں۔ اور اچانک چلتے چلتے انھیں اشتعال آجائے اور پھر بے اختیارانہ طور پر ان سے بعض حرکات صادر ہو جائیں۔ یہ کام تو مجذوبوں کا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے وہ جب جو چاہیں کہہ دیں اور جو چاہیں کر بیٹھیں۔ ذی شعور اور

ہوش مند داعیانِ حق کا راستہ مجذوبوں کا راستہ نہیں ہے۔

چھٹی بات یہ کہ لفظ انقلاب کو بھی مشورے اور منصوبہ بندی کی کوتاہیوں کی ڈھال نہیں بنایا جاسکتا اور نہ انقلاب کے معنی یہ ہیں کہ کام کرنے والے جو ہنگامہ چاہیں کھڑا کردیں، سب روا ہے۔ انقلاب کے لفظ سے اس دور میں جو غیر اسلامی مطالب وابستہ ہوگئے ہیں، ہمارے دل و دماغ کو ان کے جنگل میں نہیں پھنسنا چاہیے۔ اسلامی دعوت کے انقلابی ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ وہ صرف وعظ نہیں ہوتی بلکہ تبدیلی کا پیغام ہوتی ہے۔ اور تبدیلی بھی وہ فقط فرد کی زندگی میں نہیں چاہتی بلکہ اجتماعی نظام میں چاہتی ہے۔ لیکن اسلام کی انقلابیت یہ معنی نہیں رکھتی کہ کام کرنے کے نہ کوئی اصول ہیں، نہ حدود، نہ اخلاقیات اور نہ کسی مشورے کی ضرورت ہے، نہ تدبیر کی، نہ حکمت کی، نہ مصلحت کی، نہ منصوبہ بندی کی، اسلامی انقلابیت کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ داعیانِ حق جدھر چاہیں منہ اٹھا کر دوڑیں اور جس کی گردن چاہیں ناپ دیں، اسلام کا داعی تو برسوں پس پس کر تبدیلی لانے کی قوت حاصل کرتا ہے۔

ساتویں بات یہ کہ اسلام کی خدمت کرنے کے لیے نوجوانی کا دور بہترین دور ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ نوجوان اپنی اُبلتی، اُمڈتی ہوئی ذہنی اور جذباتی قوتوں کو انضباط میں رکھ سکیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے، بالعموم نوجوان تھے۔ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ پر ایمان لانے والوں کو علاوہ اصحابِ کہف بھی نوجوان ہی تھے۔ حضورؐ کی تحریک کو بھی نوجوانوں ہی نے آگے بڑھایا۔ اور پورا اسلامی انقلاب نوجوانوں کی پوری ایک نسل کی قربانیوں کا ثمرہ ہے۔ لیکن یہ سارے نوجوان ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو مرضیاتِ الٰہیہ میں جکڑ لیا تھا۔ حدیث میں خدا کی طرف سے ایسے ہر نوجوان کے لیے قیامت کے دن سایۂ عرشِ الٰہی میں جگہ دینے کا وعدہ ہے۔ جس کو حسب نسب (باقی بر صفحہ ۵۲)

(بقیہ اشارات) یا جمال اور جاہ و جلال رکھنے والی کوئی خاتون خود آگے بڑھ کر خلوت میں دعوتِ گناہ دے اور وہ یہ کہہ کر اس دعوت کو رد کردے کہ "اِنِّی اَخَافُ اللّٰہ"۔

صالح نوجوانوں کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سے بڑے ــــ علم اور سرگرمی کار اور کردار میں بڑے ــــ لوگوں سے بہ ادب رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اگر نوجوان اپنی پیش رو صفوں سے بے تعلق ہوجائیں اور علم و تقویٰ میں بڑے لوگوں سے استفادہ کرنے سے بے نیاز ہوجائیں تو وہ سعادت کا مقام مشکل ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔

تو نوجوان اسلام کے بہترین خادم اور علمبردار اور دعوتِ حق کو پھیلانے والے سپاہی جبھی بن سکتے ہیں، جب اُن کا کردار انی اخاف اللہ کی اسپرٹ سے بنا ہو۔ جوانی کی قوتوں کی تند موجوں کو ایمان و خودی سے مسخر کرلینا وہ کمال ہے جس کے نتائج بڑے بابرکت ہیں۔ لیکن اگر یہ تُند موجیں اخلاقی حدود سے اچھل کر باہر نکل جائیں تو ایسی غیر مسخر موجیں تباہی کا باعث بھی ہوسکتی ہیں۔

آٹھویں بات یہ کہ کسی بھی فرد یا گروہ کو دعوتِ حق اور اقامتِ دین کے سلسلے میں کوئی کام کرتے ہوئے اُن تمام عناصر کا خیال رکھنا چاہیے، جو دین کی علمبرداری کا کام کر رہے ہیں۔ یہ سوچتے رہیں کہ کسی اقدام کا نتیجہ یہ تو نہیں ہوگا کہ سارے ہی کام کرنے والوں پر بُرا اثر پڑے اور سبھی کی ساکھ مجروح ہو۔ ایک ہی مقصد کی راہ پر چلنے والے تمام قافلوں کے ساتھ ربط بھی ہونا چاہیے۔ اُن کے نقطہ ہائے نظر بھی سامنے ہونے چاہییں اور اُن سے ہم آہنگی بھی برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مختلف دائروں میں کام کرنے والی تنظیمیں اگر اسلام کی نسبت سے کام کر رہی ہوں تو ہر ایک کے اچھے اقدام کا اثر بھی اور غلط حرکات کا اثر بھی دوسروں پر پڑتا ہے۔

داعیانِ حق کو یہ امر پوری طرح ملحوظ رکھنا چاہیے۔

آخری اور نویں بات یہ کہ انتظامیہ میں بھی، صحافت اور ذرائع ابلاغ میں بھی، تعلیم اور پولیس

میں بھی، محکمہ خارجہ اور سی آئی ڈی میں بھی، سیاسی جماعتوں اور مذہبی جتھوں میں بھی جگہ جگہ اسلام کی ہمہ گیر انقلابی دعوت کے مخالفین بکثرت موجود ہیں۔ تمام وہ لوگ جو مفاد پرست ہیں، تمام وہ لوگ جو لادینیت پسند ہیں، تمام وہ لوگ جو مغرب پرست ہیں، تمام وہ لوگ جو اشتراکیت زدہ ہیں، تمام وہ لوگ جو خیانت کار ہیں، تمام وہ لوگ جو تفرقہ باز ہیں، وہ جہاں بھی بیٹھے ہیں، داعیانِ حق کے خلاف گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ جونہی ادھر کوئی کمزوری نمودار ہوتی ہے۔ وہ کسی بڑے اُصولی تقاضے کی بنیاد پر کسی نہ کسی محاذ سے بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں۔

اپنا کام کرتے ہوئے چاروں طرف پھیلی ہوئی ان کمین گاہوں کا خیال رکھیے، جن میں دُوربینیں اور ہیڈ فون لگائے بڑے بڑے گھاگ آپ کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرکت کا جائزہ لینے کے لیے بیٹھے ہیں، جہاں آپ اُن کی زد میں آئے، وہ فائل کھول دیں گے۔

یہ تو ظاہر کی معاندانہ نگرانی ہے، آپ کی اصل توجہ تو خدا کی طرف سے مامور فرشتوں پر رہنی چاہیے جو آپ کے ہر قول وفعل کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں۔ اور اُن سے اُوپر خود اللہ تعالیٰ ہے جسے آپ کی چھپی نیتوں کا حال بھی معلوم ہے۔ آپ اگر ساری دُنیا کو بھی مغالطہ دے لے جائیں تو وہ خبیر و بصیر اصل مخفی حقیقت کو جانتا ہے جو سینوں میں مستور ہے۔ اگر نگاہ اِدھر رہے تو پھر معاشرے اور نظامِ وقت کی کمیں گاہوں میں چھپے دشمنوں پر توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ان کا بس تو اسی وقت چلتا ہے جب ہمارا تعلق اپنے خدا سے کم ہوتا ہے۔

تو دوستو! فی الوقت یہ چند گذارشات پیشِ خدمت ہیں، ان پر غور کیجیے اور اپنے منصوبوں اور نقشوں کو درست کر لیجیے۔ ورنہ غلط کار اور کج کیش خادموں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کر سکتا۔ اور وہ جب چاہے اپنے بنائے ہوئے قوانینِ تقدیر و تاریخ کے تحت ادنیٰ ادنیٰ دشمنوں سے انہیں پٹوا دیتا ہے۔ استغفر اللہ لی و لکم اجمعین۔

---

(۲)

ابلیس کی یہ کوشش اوّل روز سے انسانیت کے خلاف رہی ہے کہ وہ مرد و زن کے لباس اتروا لئے اور اُن کو عریاں کر کے ان میں فحش پسندی پیدا کرے۔ خدا کے مقدس انبیاء ایسی خدا پرستانہ تہذیب کے داعی رہے ہیں جس نے انسان کو لباسِ تقوٰی اور لباسِ شائستگی سے اپنے بدن ڈھانپنے کا پابند کیا۔ بخلاف اس کے دُنیا میں جو بھی جاہلی یا مشرکانہ یا لادین یا مادہ پرست تہذیب اُبھری اس نے انسانوں کو، اور خاص کر عورتوں کو بے لباسی اور تنگ لباسی کی تعلیم دی تاکہ جنسی ہیجانات زور پکڑیں اور اعلیٰ اخلاقیات جڑیں نہ پکڑ سکیں۔

اس وقت جو لادین، مادہ پرست اور حیوانی تہذیب دُنیا کی بڑی طاقتوں نے انسانیت پر مسلط کر رکھی ہے اور جسے زمین کے چپے چپے تک پھیلانے اور دیہات اور قریوں کے جھونپڑوں میں پہنچانے کے لیے علوم، تعلیم، نصابیات، ادب، صحافت، ثقافتی ادارات، تصاویر اور مصوّر جرائد و رسائل، زیر زمین گندے ناولوں اور مکروہ تصاویر کی اشاعت، فلمیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر، موسیقی، آزادیٔ نسواں کی تحریکات، عورتوں اور اُن کی تصاویر کا کاروباری و تشہیری استعمال، مخلوط معاشرتی، ثقافتی اور تفریحی مجالس کا انعقاد، خواتین کی تقریبوں میں مرد عہدہ داروں کا پردھان بن کے بیٹھنا اور اُن میں انعامات تقسیم کرنا، بے پردہ اور اسلام کے اساسی تقاضوں سے بے بہرہ خواتین کا ملک کی عورتوں کی قیادت و نمائندگی کا ادعا کرنا۔ یہ سب ایسے مظاہر ہیں جو گواہی دیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ اسلام دشمن قوتیں اس مہم میں دلچسپی رکھتی ہیں اور وہ پاکستانی معاشرے کے اسلامی رجحانات کو فحاشی کے سیلاب میں بہا لے جانا چاہتی ہیں۔ نیز اس مہم کی روز افزوں تیزی سے یہ شبہ بھی ہوتا ہے کہ خود انتظامی کے اندر ایسے لوگ ہوسکتے ہیں جو اس کا فروغ چاہتے ہوں۔ کم از کم اتنا تو واضح ہے کہ اس سیلاب بلا کی روک تھام کے لیے جو کارروائی حکومت کی طرف سے ہونی چاہیے تھی وہ دس فیصد حد تک بھی نہیں ہو رہی۔

اندریں حالات میاں طفیل محمد (سابق امیر کالعدم جماعت اسلامی پاکستان) کی اس فیصلے

کا خیر مقدم ہر محبِ اسلام پاکستانی کرے گا کہ ماہ جون میں فحاشی کے خلاف سہ روزہ مہم چلائی جائے۔ فحاشی خلافِ اسلام ہے، قوم کے اخلاقی زوال اور نوجوانوں کی قوتوں کی تباہی کا باعث بنتی ہے، اس کا پھیلاؤ خدا کے غضب کو دعوت دیتا ہے، نیز یہ عین مقصدِ پاکستان کے لیے غارت گر ہے۔

ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ کم سے کم توجہ دلائے جانے پر وہ انسداد فحاشی کو اپنا فریضہ سمجھے اور اس کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ پارٹ ادا کرے۔

ضرورت

جنوری ۱۹۸۲ء کا شمارہ ختم ہو گیا ہے۔ دفتر ماہنامہ ترجمان القرآن کو اس کی ضرورت ہے جو احباب اور مخلص فائل نہ رکھتے ہوں اپنا جنوری ۱۹۸۲ء کا شمارہ ڈاک سے ہم کو بھیج دیں۔ اس کی پوری قیمت بذریعہ منی آرڈر ادا کر دی جائے گی۔ مینیجر ترجمان القرآن۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، اُن کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)

ہماری نئی مطبوعات

۱۔ فقہ الزکاۃ ۔ یوسف القرضاوی ۔ حصہ اوّل دوم مجلد /۵۰ روپے
۲۔ فقہ الزکاۃ یوسف القرضاوی حصہ سوم ،، /۳۰ روپے
۳۔ سید بادشاہ کا قافلہ ۔ آبادشاہپوری ،، /۴۸ روپے

البدر پبلی کیشنز ۔ اردو بازار، لاہور